صریرخامہ
SAREER A KHAMA
TAFHEEM RESEARCH CENTRE
Category Y
ISSN Online: 3005-947X
ISSN Print: 3005-9461
Vol: 05, Issue 03 (July-September 2026)

انکارِ حدیث کی فکری بنیادیں:اسباب واثرات

Hadith Denial: Root Causes and Its Impact on Islamic Thought

Ayesha Iqbal
M phil. Scholar, Govt. College University, Faisalabad
ayeshachoudry905@gmail.com

Abstract:

A study of Islamic history makes it evident that the denial of Hadith is not a modern phenomenon but a continuation of an old intellectual deviation, whose early manifestations can be traced to the Khārijites and certain extreme tendencies among the Muʿtazilites. In the modern period, however, this tendency developed into an organized intellectual movement that sought to undermine the authority and legislative status of the Prophetic Hadith through various rationalistic, historical, Orientalist, and materialistic arguments. Its proponents have essentially maintained that the Qur'an alone is sufficient as the source of religion and that there is no need to recognize Hadith as an independent source of Islamic law. This claim, however, contradicts the Qur'an itself, which repeatedly commands obedience to the Messenger of Allah ﷺ and establishes his authoritative position.

In reality, the Sunnah of the Prophet ﷺ constitutes the practical interpretation of the Qur'an and the essential means through which its injunctions are explained and implemented. The details of numerous fundamental religious obligations—including prayer, zakāt, ḥajj, transactions, social conduct, and ethics—are known through Hadith and Sunnah. Therefore, the denial of Hadith is not merely a rejection of individual narrations; rather, it ultimately undermines the entire Islamic legal framework, the juristic tradition, and the vast scholarly heritage accumulated by the Muslim Ummah over centuries. For this reason, the great scholars of Islam, particularly the eminent Hadith scholars and jurists, have consistently addressed this intellectual deviation and established the authority of Hadith through rigorous, decisive, and enduring scholarly arguments.

Keywords: Denial of Hadit, Prophetic Sunnah, Islamic Law; Khārijites; Muʿtazilites; Orientalism

اریخ اسلام کے عمیق و محققانہ مطالعے سے یہ حقیقت آفتابِ نیم روز کی طرح روشن ہو جاتی ہے کہ فتنۂ انکارِ حدیث کوئی نوخیز فکری عارضہ یا عصرِ حاضر کی پیداوار نہیں، بلکہ یہ ایک قدیم فکری انحراف کی کڑی ہے، جس کے ابتدائی نقوش خوارج اور بعض معتزلہ کے افراط و تفریط پر مبنی افکار و نظریات میں نمایاں طور پر دکھائی دیتے ہیں۔ تاہم عہدِ جدید میں اس فتنہ نے محض ایک انفرادی رائے یا محدود فکری رجحان کی صورت پر اکتفا نہیں کیا بلکہ رفتہ رفتہ ایک منظم، مربوط اور پُرفریب فکری تحریک کی شکل اختیار کر لی۔ اس تحریک نے حدیثِ نبوی ﷺ کی حجیت، اصالت اور تشریعی و قانونی حیثیت کو مشتبہ بنانے کے لیے نت نئے شبہات اور اعتراضات کا جال پھیلایا اور یوں شریعتِ اسلامیہ کے ہمہ گیر و جامع نظامِ تشریع کو محدود بلکہ معطل کرنے کی دانستہ سعی کی۔ یہ امر کسی توضیح کا محتاج نہیں کہ قرآنِ حکیم کے آفاقی اور ابدی احکام کی عملی تعبیر، تفصیلی تشریح اور صحیح تطبیق، سنتِ نبوی ﷺ کے بغیر ممکن نہیں۔ کتابِ الٰہی اصول و کلیات کا سرچشمہ ہے اور سنتِ رسول ﷺ انہی اصولوں کی زندہ و متحرک تفسیر اور عملی پیکر۔ چنانچہ حدیث و سنت سے صرفِ نظر درحقیقت شریعتِ اسلامیہ کے ایک ایسے اساسی، ناگزیر اور زندہ ماخذ سے انحراف ہے، جس کے بغیر اسلامی نظامِ حیات کی حقیقی اور مکمل صورت متعین ہی نہیں کی جا سکتی۔

منکرینِ حدیث نے مختلف ادوار میں عقل پرستیِ محض، آزادیِ فکر کے غیر محدود تصورات، مغربی مادہ پرستانہ افکار، استشراقی شبہات اور جدید تہذیب کے مرعوب کن مظاہر سے متاثر ہو کر سنت و حدیث کی تشریعی و قانونی حیثیت کو مشکوک بنانے کی سعیِ نامسعود کی۔ ان کے خود تراشیدہ مفروضات کی بنیاد یہ دعویٰ قرار پایا کہ قرآنِ مجید دین کی فکری و عملی عمارت کے لیے تنہا کافی ہے، لٰہذا احادیثِ رسول ﷺ کی مستقل تشریعی حیثیت کو تسلیم کرنے کی نہ کوئی ضرورت ہے اور نہ اس کے لیے کوئی علمی جواز۔ اسی کمزور اور بے بنیاد مقدمے پر انہوں نے احادیثِ مبارکہ کو کبھی عقلِ انسانی کے خلاف، کبھی تاریخی اعتبار سے غیر محفوظ اور کبھی باہمی تعارض کا شکار قرار دے کر ان کے مقامِ حجیت و تشریع کو مجروح کرنے کی کوشش کی۔

عصرِ حاضر میں اس منحرف فکر کو استعماری قوتوں اور بعض مستشرقین کی منظم فکری و مادی سرپرستی بھی حاصل رہی۔ ان قوتوں کی نگاہِ دوراندیش اس حقیقت سے بخوبی آشنا تھی کہ کسی ملت کو اس کے دینی تشخص، تاریخی شعور اور تہذیبی امتیاز سے بیگانہ کرنے کے لیے اس کے اصل مصادرِ دین سے اس کا رشتہ کمزور کرنا ضروری ہے۔ اسلامی معاشرے کے دینی و فکری سرچشموں کو متزلزل کرنے کے لیے سنتِ مطہرہ کے تشریعی و تعبیری مقام کو مشکوک بنانا نہایت مؤثر حربہ ثابت ہو سکتا ہے۔ چنانچہ بعض مادہ پرست اہلِ قلم نے ''حسبنا القرآن'' کے نعرۂ فریب کے زیرِ سایہ حدیثِ نبوی ﷺ کی تشریعی ضرورت ہی سے انکار کر دیا، حالاں کہ قرآنِ حکیم کے نصوص نہایت صراحت و وضاحت کے ساتھ متعدد مقامات پر رسولِ اکرم ﷺ کی اطاعت کو واجب و حتمی قرار دیتے اور آپ ﷺ کے مستقل تشریعی و تبیینی مقام کو آشکار کرتے ہیں۔ خود کلامِ الٰہی کا فیصلہ کن ارشاد ہے کہ جس نے رسول کی اطاعت کی، اس نے درحقیقت اللہ ہی کی اطاعت کی۔

حقیقتِ حال یہ ہے کہ سنتِ نبوی ﷺ قرآنِ مجید کی عملی تفسیر، اس کے احکام کی مجسم تعبیر اور اسلامی شریعت کی تطبیقی و تشریحی صورت ہے۔ عبادات ہوں یا معاملات، معاشرت ہو یا اخلاقیات، اسلامی زندگی کے بے شمار بنیادی احکام ایسے ہیں جن کی جزئیات، تفصیلات، عملی ہیئت اور حدود و قیود سنتِ رسول ﷺ ہی کے ذریعے معلوم ہوتی ہیں۔ نماز کی عملی کیفیت سے لے کر زکوٰۃ کے نصاب و تفصیلات تک، حج کے مناسک سے لے کر معاملات و معاشرت کے متعدد ابواب تک، کتاب و سنت ایک دوسرے سے اس طرح پیوست ہیں کہ ایک کو دوسرے سے جدا کر کے دین کی مکمل تصویر پیش کرنا ممکن نہیں۔

اس بنا پر فتنۂ انکارِ حدیث کو محض چند روایات کے انکار یا بعض احادیث پر اعتراض کا نام سمجھنا حقیقتِ حال کو محدود کر دینے کے مترادف ہے۔ اس فکر کا منطقی انجام بالآخر پورے دینی نظام، فقہی روایت، تشریعی تسلسل اور امتِ مسلمہ کے چودہ صدیوں پر محیط مستند علمی و تہذیبی سرمائے کے بارے میں عدمِ اعتماد پیدا کرنا ہے۔ جب حدیث کی حجیت مجروح ہوتی ہے تو فقہ کی بنیادیں متزلزل ہوتی ہیں، جب سنت کی تشریعی حیثیت مشتبہ قرار پاتی ہے تو امت کا متوارث علمی نظام سوالیہ نشان بن جاتا ہے، اور جب اسلاف کے مستند علمی ذخیرے سے بے اعتنائی اختیار کی جاتی ہے تو دین کی تعبیر شخصی خواہشات اور متغیر عقلی قیاسات کے رحم و کرم پر چھوڑ دی جاتی ہے۔

یہی وہ بنیادی حقیقت ہے جس کے پیشِ نظر امتِ مسلمہ کے جلیل القدر ائمہ، محدثینِ عظام اور فقہائے امت نے ہر دور میں فتنۂ انکارِ حدیث کا علمی و تحقیقی تعاقب کیا اور اس کے پیدا کردہ شبہات کا مدلل ازالہ فرمایا۔ انہوں نے حجیتِ حدیث کے دلائل کو قرآنِ حکیم، سنتِ رسول ﷺ، تعاملِ صحابہؓ، اجماعِ امت اور اصولِ شریعت کی مضبوط بنیادوں پر واضح کیا اور یہ ثابت کیا کہ حدیثِ نبوی ﷺ اسلامی تشریع کا کوئی ثانوی یا غیر ضروری جزو نہیں، بلکہ قرآنِ مجید کے فہم، اس کی عملی تنفیذ اور شریعتِ محمدی ﷺ کی تکمیل و تفصیل کا ناگزیر وسیلہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حجیتِ حدیث کا مسئلہ محض ایک علمی مناقشہ نہیں، بلکہ دین کے فہم، شریعت کے تحفظ اور امت کے فکری تسلسل سے براہِ راست وابستہ ایک بنیادی مسئلہ ہے۔

انکارِ حدیث کے ادوارِ ثلاثہ:

انکارِ حدیث ایک ایسا فکری فتنہ ہے جو مختلف ادوار میں مختلف صورتوں کے ساتھ ظاہر ہوتا رہا۔ فتنۂ انکارِ حدیث کے اسی تدریجی و تاریخی تسلسل کا جامع محاکمہ کرنے کے لیے، اس کے مراحل کو تین ادوار (ادوارِ ثلاثہ) میں تقسیم کیا جاسکتا ہے؛

1. عہدِ خیر والقرون
2. عہدِ ملوکیت
3. دورِ آواخر

ذیل میں ان ادوار کے اہم فکری رجحانات اور انکارِ حدیث کی نمایاں صورتوں کا جائزہ پیش کیا جارہا ہے۔

1۔ عہدِ خیر والقرون

دورِ نبوی ﷺ میں انکارِ حدیث:

اگرچہ فتنۂ انکارِ حدیث بعد کے ادوار میں ایک منظم تحریک کی صورت میں سامنے آیا، تاہم اس کے ابتدائی آثار عہدِ نبوی ﷺ ہی میں ظاہر ہونا شروع ہو گئے تھے۔ اس دور میں اگرچہ کوئی مستقل منکرِ حدیث جماعت موجود نہ تھی، کیونکہ رسول اللہ ﷺ ہی دین کے عملی سرچشمہ اور مرجعِ تشریع تھے، لیکن بعض منافقین، اہلِ کتاب اور کج فہم افراد ایسے ضرور تھے جو آپ ﷺ کے فیصلوں اور احکام پر اعتراضات کرتے یا مسلمانوں کے دلوں میں شکوک پیدا کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ یہی رویّے بعد میں انکارِ حدیث کی فکری بنیاد بنے۔ اس فکری انحراف کی نمایاں مثال ذوالخویصرہ تمیمی کا واقعہ ہے۔ حضرت ابو سعید خدریؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ مالِ غنیمت تقسیم فرمارہے تھے تو ایک شخص نے گستاخانہ انداز میں کہا: اے محمد! انصاف کیجیے۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: تجھ پر افسوس! اگر میں انصاف نہ کروں تو پھر کون انصاف کرے گا؟ بعد ازاں آپ ﷺ نے اس شخص اور اس جیسے لوگوں کے بارے میں فرمایا: وہ دین سے اس طرح نکل جائیں گے جیسے تیر شکار سے پار نکل جاتا ہے۔[1] یہ واقعہ اس حقیقت کو واضح کرتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے فیصلوں اور تشریحات کو اپنی عقل وخواہش کے تابع بنا کر پرکھنا دراصل اطاعتِ رسول ﷺ سے انحراف ہے۔

اسی طرح یہود اور منافقین نے بھی عہدِ نبوی ﷺ میں انکارِ حدیث کی فکری فضا ہموار کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ وہ جانتے تھے کہ نبی اکرم ﷺ اللہ کے سچے رسول ہیں، لیکن حسد، عناد اور دنیاوی مفادات کی وجہ سے انہوں نے نہ صرف حقائق کو چھپایا بلکہ مسلمانوں کے دلوں میں شکوک وشبہات پیدا کرنے کی کوشش بھی کی۔ قرآنِ مجید نے ان کے اس طرزِ عمل کو یوں بیان فرمایا:

ثُمَّ يُحَرِّفُونَهُ مِنْ بَعْدِ مَا عَقَلُوهُ وَهُمْ يَعْلَمُونَ۔[2]

پھر وہ جان بوجھ کر، سمجھ لینے کے بعد بھی، اللہ کے کلام میں تحریف کرتے ہیں۔

اسی طرح فرمایا:

---

[1] محمد بن اسماعیل بخاری ،الجامع الصحیح،کتاب المناقب،باب علامات النبوة فی الإسلام،رقم الحدیث:3610

[2] البقرة:75

وَدَّ كَثِيرٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ يَرُدُّونَكُم مِّنْ بَعْدِ إِيمَانِكُمْ كُفَّارًا۔[3]

اہلِ کتاب میں سے بہت سے لوگ چاہتے ہیں کہ تمہیں ایمان کے بعد دوبارہ کفر کی طرف لوٹا دیں۔

عہدِ نبوی ﷺ کے آخری دور میں جھوٹے مدعیانِ نبوت (مسیلمہ کذاب اور سجاح) نے بھی بعض احکامِ شریعت میں تبدیلی کی کوشش کی، جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ احکامِ نبوی کو اپنی خواہش کے مطابق بدلنا ایک خطرناک فکری انحراف تھا۔ الغرض، دورِ نبوی ﷺ میں انکارِ حدیث ایک باقاعدہ تحریک کی صورت میں موجود نہیں تھا، لیکن رسول اللہ ﷺ کے فیصلوں پر اعتراض، احکامِ نبوی میں تحریف کی کوشش، اور سنتِ رسول ﷺ کی تشریعی حیثیت کو کمزور کرنے کے رجحانات ضرور موجود تھے۔ اسی لیے قرآنِ مجید نے اطاعتِ رسول کو اطاعتِ الٰہی قرار دیتے ہوئے سورۃ النساء[4] میں فرمایا: جس نے رسول کی اطاعت کی، اس نے درحقیقت اللہ کی اطاعت کی۔[5]

دورِ صحابہ میں انکارِ حدیث:

حضور نبی اکرم ﷺ کی رحلت کے بعد یہود و نصاریٰ نے منافقت کا لبادہ اوڑھ کر عرب قبائل کو اسلام سے پھیرنے کی فکری سازشیں شروع کر دیں، جس کے نتیجے میں فتنۂ ارتداد نے جنم لیا اور نو مسلموں نے زکوٰۃ کی فرضیت کا انکار کیا۔ اسی پر آشوب زمانے میں عبد اللہ بن سبا نامی یہودی منافق نے بظاہر اسلام قبول کر کے صحابہ کرام کی عدالت کو مجروح کرنے اور حضور ﷺ کی طرف جھوٹی باتیں منسوب کرنے کی ایک منظم مہم چلائی۔ اس سبائی فتنے کا اصل فکری ہدف یہ تھا کہ مسلمانوں کو یہ باور کرایا جائے کہ قرآن کے ہوتے ہوئے حدیثِ رسول ﷺ کی کوئی ضرورت نہیں ہے، تاکہ شریعت کے تشریحی رابطے کو کاٹا جا سکے، حالانکہ اللہ تعالیٰ کا منشا وہی ہے جو رسول ﷺ بیان فرمائیں اور اس رابطے کو کاٹنا سراسر گمراہی ہے جیسا کہ قرآنِ کریم میں ارشاد ہے:

وَيَقْطَعُونَ مَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ أَن يُوصَلَ وَيُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ۔[6]

---

[3] البقرۃ:109

[4] النساء:80

[5] افتخار احمد بلخی، فتنۂ انکارِ حدیث کا منظر و پس منظر، کراچی، مکتبہ چراغ راہ پاکستان، 1954، ص14

[6] البقرۃ:27

یعنی اور وہ کاٹتے ہیں اس چیز کو جس کے ملانے کا اللہ نے حکم دیا ہے اور زمین میں فساد پھیلاتے ہیں۔

اس آیت کی روشنی میں قرآنی معلومات کے بیان کے لیے اقوالِ رسول ﷺ کے رابطے کو کاٹ دینا ہی حقیقی فساد ہے۔ خطیب بغدادی نے اس فکری انحراف کا ذکر کرتے ہوئے بیان کیا ہے کہ عبد اللہ بن سبا نے ایک ایسی جماعت تیار کرلی تھی جو قرآن کے علاوہ کسی دوسری اتھارٹی یعنی حدیث کو ماننے کے لیے تیار نہ تھی اور لوگوں کے ذہنوں میں یہ بات بٹھاتی تھی کہ قرآن کا مفہوم وہی ہے جو تمہارا اپنا ذہن اخذ کرتا ہے۔[7] اس تاریخی حقیقت کی تائید میں حافظ ابن حجر عسقلانی اپنی شہرہ آفاق کتاب لسان المیزان میں صراحت کے ساتھ فرماتے ہیں کہ عبد اللہ بن سبا ہی وہ شخص تھا جس نے اس گمراہ کن اور باطل نظریے کا اظہار کیا۔[8] چنانچہ دورِ صحابہ کا یہ سبائی فتنہ ہی دراصل انکارِ حدیث کی وہ اولین فکری اور باطل بنیاد تھا جس نے آگے چل کر منکرینِ حدیث کے نظریات کو جنم دیا۔[9]

دورِ تابعین میں انکارِ حدیث:

عہدِ تابعین میں یہی عقل پرستی اعتزال (معتزلہ) کی شکل میں ابھری، جہاں بنو امیہ کے دور کے سیاسی حالات اور یہود و نصاریٰ کے حواریوں کے پروپیگنڈے سے متاثر ہو کر عقل کو دین کا معیار بنالیا گیا۔ مولانا بدرِ عالم کے مطابق، معتزلہ نے اپنے فاسد مزاج کے سبب حشر و نشر، رویتِ باری تعالیٰ، صراط، میزان، وزنِ اعمال، اور جنت و دوزخ جیسے مسلمہ بنیادی عقائد کا انکار کر دیا کیونکہ ان کا مفہوم ان کی عقل کی کسوٹی پر پورا نہیں اترتا تھا، اور ان مسائل کے متعلق قرآنی آیات کی خود ساختہ تاویلات کیں اور خبرِ واحد یعنی احادیثِ رسول ﷺ کو یکسر مسترد کر دیا[10]۔ اگرچہ حافظ ابن حزم کے قول کے مطابق پہلی صدی ہجری تک اہلِ سنت، خوارج، شیعہ اور قدریہ تمام فرقے حضرت محمد ﷺ کی ان احادیث کو قابلِ حجت مانتے تھے جو ثقہ راویوں سے منقول ہوں، لیکن پہلی صدی کے بعد متکلمینِ معتزلہ نے اس علمی اجماع کے خلاف کھلم کھلا انحراف کیا اور انکارِ حدیث کے لیے عقل کو معیار

---

[7] مفتی ولی حسن ٹونکی، فتنہ انکارِ حدیث، لندن، ختم نبوت اکیڈمی، 2006ء، ص35

[8] ابن حجر عسقلانی، احمد بن علی، لسان المیزان، تحقیق: عبد الفتاح ابو غدہ, بیروت: دار البشائر الإسلامية، 2002ء، جلد4, ص479

[9] ڈاکٹر عبد الرؤف ظفر، علوم الحدیث، لاہور، قدوسیہ اسلامک پریس، 2011ء، ص793

[10] محمد بدر عالم میرٹھی، ترجمان السنة، لاہور، اسلامی اکادمی، 1991ء، جلد1، ص234-235

بناتے ہوئے یہ اصول وضع کیا کہ خبرِ واحد چونکہ مفیدِ یقین نہیں ہوتی، اس لیے وہ دین میں حجت نہیں بن سکتی، جس کا دوسری صدی ہجری میں امام شافعی رحمہ اللہ نے زبردست علمی محاکمہ کیا اور حجیتِ حدیث کا دفاع کیا۔[11]

یہی عقل پرستانہ فکر صدیوں بعد برصغیر میں سر سید احمد خان، نواب اعظم یار جنگ اور مولوی چراغ علی کی نیچریت کی شکل میں ظاہر ہوئی جنھوں نے معتزلہ کے افکار کو اپنا کر انکارِ حدیث کو فروغ دیا۔ یہی طرزِ عمل شیعہ اور قادیانیوں کے ہاں بھی نظر آتا ہے، جہاں شیعہ حضرات صحاحِ ستہ کے بجائے اپنے ائمہ کے اقوال پر تکیہ کرتے ہیں اور قادیانی مرزا غلام احمد کو حکم مان کر حدیث کی صحت کا معیار اس کی ذات کو ٹھہراتے ہیں۔ ان تمام داخلی گمراہیوں کو مستشرقین جیسے گولڈزیہر اور شاخت نے مسلمانوں میں فکری انتشار پھیلانے کے لیے ہتھیار کے طور پر استعمال کیا، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کو اپنی اطاعت قرار دیتے ہوئے سورۃ النساء[12] میں واضح فرمایا ہے: یعنی جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے یقیناً اللہ کی اطاعت کی۔ پس عہدِ صحابہ کا سبائی فتنہ اور عہدِ تابعین کا اعتزال ہی دراصل انکارِ حدیث کی وہ اولین فکری و عقلی بنیادیں ہیں جن کے اثرات متاخرین کے دور تک پھیلتے چلے گئے۔[13]

2۔ عہدِ ملوکیت

عہدِ خیر القرون کے بعد تاریخ اسلام کا دوسرا بڑا فکری موڑ اموی اقتدار کا زمانہ ہے، جہاں سے خلافت راشدہ کے منہج میں تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ اس دور کے سیاسی بگاڑ اور حکمرانوں کے ظلم و جبر کے ردِ عمل میں جبریہ اور قدریہ جیسے باطل کلامی مکاتبِ فکر نے جنم لیا۔ جبریہ نے حکمرانوں کے مظالم کو تقدیرِ الٰہی قرار دے کر انسان کو مجبورِ محض ٹھہرایا، جبکہ قدریہ نے انسانی عقل کو خود مختار قرار دے کر تقدیر کا سرے سے انکار ہی کر دیا۔ ان دونوں گروہوں نے اپنے نظریاتی مقاصد کی پشت پناہی کے لیے احادیثِ نبوی ﷺ کے خلاف فکری ردِ عمل کا اظہار کیا، کیونکہ مسلمہ روایات ان کے خود ساختہ کلامی افکار کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ تھیں۔ چنانچہ انہوں نے ایسی تمام احادیث کو مسترد کرنا شروع کر دیا جو ان کے عقائد کے موافق نہیں تھیں، اور یوں انہوں نے حدیثِ رسول ﷺ کو میزانِ عقل پر پرکھنے کی ایک خطرناک بنیاد رکھی، جس کا تذکرہ امام اشعری نے مقالات الاسلامیین میں کیا ہے۔

---

[11] ابن حزم، علی بن احمد،الإحكام في أصول الأحكام،تحقيق: احمد محمد شاكر، بيروت: دار الآفاق الجديدة، 1983ء، جلد 1، ص118-119

[12] النساء:80

[13] ڈاکٹر عبدالروف ظفر، علوم الحدیث، ص796

یہ فکری انحراف اپنے عروج کو اس وقت پہنچا جب خلافتِ عباسیہ کا آغاز ہوا اور اس دور میں معتزلہ کو شاہی دربار، بالخصوص مامون الرشید، کی باقاعدہ سرکاری سرپرستی حاصل ہوگئی۔ معتزلہ نے یونانی فلسفے کی آڑ لے کر عقل کو شریعت پر حاکم بنا دیا اور "فتنۂ خلقِ قرآن" کے ذریعے اخبارِ آحاد کی مستقل تشریحی حیثیت کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ اس نازک ترین دور میں محدثینِ عظام نے اسلام کے روایتی نظام کا زبردست علمی و عملی دفاع کیا۔ اس فکری معرکے میں سب سے پہلے امام شافعی رحمہ اللہ نے اپنی معرکتہ الآراء کتاب "الرسالہ" کے ذریعے خبرِ واحد کی حجیت پر ٹھوس عقلی و نقلی دلائل قائم کیے۔ اس کے بعد جب اس فتنے کو سرکاری طور پر نافذ کرنے کے لیے محدثین پر تشدد کیا گیا، تو امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سنتِ نبوی ﷺ کے دفاع کے لیے ایک ناقابلِ تسخیر چٹان بن کر کھڑے ہوگئے اور ان کی اسی بے مثال استقامت کے نتیجے میں معتزلہ کا یہ سرکاری فتنہ ہمیشہ کے لیے دفن ہو گیا۔[14] اللہ تعالیٰ نے رسول کی اطاعت کو الٰہی اطاعت کا لازمی حصہ قرار دیتے ہوئے سورۃ النساء میں واضح فرمایا ہے:

مَّن يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ۔[15]

(یعنی جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے یقیناً اللہ کی اطاعت کی۔)

معتزلہ کا نظریۂ حدیث:

پہلی صدی ہجری کے آواخر میں ابھرنے والے فکری مکاتبِ فکر میں معتزلہ کا نظریۂ حدیث سب سے زیادہ گمراہ کن ثابت ہوا، جنہوں نے روایت و نقل پر عقل کو ترجیح دی اور علامہ شہرستانی کے مطابق عقل کو حاکم قرار دے کر احادیثِ رسول ﷺ کی حجیت کو شدید نقصان پہنچایا۔ معتزلہ اور خوارج کا بنیادی تکیہ اس باطل اصول پر تھا کہ خبرِ واحد علمِ یقینی کا فائدہ نہیں دیتی، اس لیے وہ عقائد اور احکامِ دین میں حجت نہیں بن سکتی۔[16] حافظ ابن حزم نے الفصل میں ان کا رد کرتے ہوئے صراحت کی ہے کہ پہلی صدی ہجری تک تمام مسلم فرقے ثقہ راویوں کی احادیث پر متفق تھے، مگر معتزلہ اور خوارج نے اس اجماع سے انحراف کیا، جس کے نتیجے میں انہوں نے حشر و نشر، رویتِ باری تعالیٰ اور شفاعتِ رسول ﷺ جیسے مسلمہ عقائد کا انکار کر دیا۔[17] معتزلہ کے مختلف ذیلی

[14] افتخار احمد بلخی، فتنۂ انکارِ حدیث کا منظر و پس منظر، ص18

[15] النساء:80

[16] شہرستانی، محمد بن عبد الکریم، الملل والنحل، تحقیق: علی حسن فاعور، بیروت: دار المعرفۃ، 1993ء، جلد1، ص43-45

[17] ابن حزم، ابو محمد علی بن احمد، الفصل في الملل والأهواء والنحل، تحقیق: محمد ابراہیم نصر بیروت: دار الجیل، 1996ء، جلد 2، ص116-118

فرقوں نے حدیثِ رسول ﷺ کی حیثیت کو گرانے کے لیے الگ الگ راستے اختیار کیے، جس کا ذکر امام عبد القاہر البغدادی نے الفرق بین الفرق میں کیا ہے۔ واصل بن عطا اور عمرو بن عبید نے جلیل القدر صحابہ کرام کی عدالت پر طعن کر کے ان کی مرویاتِ حدیث کو مشکوک کرنے کی کوشش کی، جبکہ ابو الہذیل العلاف نے یہ خود ساختہ عقلی شرط عائد کی کہ خبرِ واحد کے لیے کم از کم چار راوی ہونا ضروری ہیں۔ اس فکری انحراف کی بدترین شکل ابراہیم بن سیار النظام کے ہاں نظر آتی ہے، جس نے معجزاتِ نبوی ﷺ کا کلی طور پر انکار کیا اور حضرت ابو ہریرہ، حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم جیسے کبار صحابہ کی طرف منسوب روایات کو محض اس لیے مسترد کر دیا کیونکہ وہ اس کے خود ساختہ عقلی معیار سے متصادم تھیں تاکہ ذخیرۂ حدیث سے امت کا اعتماد اٹھایا جا سکے۔[18]

عہدِ تابعین کے بعد خلیفہ مامون الرشید کے دور میں ثمامہ بن اشرس جیسے معتزلی رہنماؤں کی وجہ سے اسے سرکاری سرپرستی حاصل ہوئی، جس کے نتیجے میں فتنۂ خلقِ قرآن نے جنم لیا اور محدثینِ عظام پر شدید مظالم ڈھائے گئے۔ اگرچہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کی استقامت نے معتزلہ کے اس فکری عروج کو دفن کر دیا، لیکن ان کے نظریات نے گولڈ زیہر اور شاخت جیسے مستشرقین اور دورِ حاضر کے منکرینِ حدیث کو اسلام پر حملے کرنے کا ایک تیار ہتھیار فراہم کر دیا۔ معتزلہ اور خوارج کا یہ متفقہ نظریہ کہ حدیث عقل کے تابع ہے، دراصل اطاعتِ رسول ﷺ کے اس قرآنی تصور کے خلاف ایک کھلا اعلانِ جنگ ہے جس میں رسول کی اطاعت کو الٰہی اطاعت کا لازمی حصہ قرار دیا گیا ہے۔

خوارج کا نظریۂ حدیث:

خوارج کا نظریۂ حدیث معتزلہ کی طرح عقل پرستی پر مبنی نہیں تھا، بلکہ ان کا بنیادی انحراف یہ تھا کہ انہوں نے دین کے فہم میں سطحی روش اختیار کی اور قرآنی آیات کی ایسی سخت تاویلات کیں جن کی بنا پر انہوں نے کبار صحابہ کرام کی عدالت پر طعن کیا اور امت کے بڑے حصے کو دائرۂ اسلام سے خارج قرار دے دیا۔ حافظ ابن حزم نے "الفصل فی الملل والأھواء والنحل" میں خوارج اور معتزلہ دونوں کے اس باطل نظریے کا ذکر کیا ہے کہ ان کے نزدیک خبرِ واحد (حدیثِ رسول ﷺ) علمِ یقینی کا موجب نہیں ہے، جس کی وجہ سے انہوں نے احکامِ شریعت کے اثبات میں احادیثِ مبارکہ کی حجیت پر شکوک پیدا کیے۔[19] عبد الرحمن بن مہدی کے ایک قول کے مطابق، خوارج اور زنادقہ نے یہ خود ساختہ فکری اصول بھی وضع کیا تھا کہ جو حدیث بظاہر

---

[18] بغدادی، عبد القاہر بن طاھر، الفرق بین الفرق ، قاہرہ: مکتبۃ ابن تیمیۃ، 1994ء، ص 102-115

[19] ابن حزم، ابو محمد علی بن احمد، الفصل في الملل والأھواء والنحل، تحقیق: محمد ابراہیم نصر بیروت: دار الجیل، 1996ء، جلد 2، صفحہ 113-115

ان کے فہم کے مطابق کتاب اللہ کے موافق ہو، صرف اسے ہی قبول کیا جائے، جو کہ دراصل احادیثِ نبوی ﷺ کو قرآن کے تابع کر کے ان کی مستقل تشریحی حیثیت کو کمزور کرنے کی ایک کوشش تھی۔[20]

دوسری طرف، خوارج کے نظریات کا ایک انوکھا پہلو یہ تھا کہ کذب بیانی کو کبیرہ گناہ اور کفر کا باعث سمجھتے تھے، جس کا اثر ان کی مرویاتِ حدیث پر پڑا۔ محدثینِ عظام کا اس بات پر اجماع تھا کہ کسی ایسے بدعتی کی روایت قبول نہیں کی جائے گی جو اپنے مذہب کے لیے جھوٹ کو جائز سمجھتا ہو۔ چونکہ خوارج عام گفتگو میں بھی جھوٹ کو حرام مانتے تھے، اس لیے امام ابن الصلاح کے مطابق ائمۂ حدیث کی ایک بڑی جماعت، بشمول امام بخاری، نے عمران بن حطان جیسے خارجی راویوں سے احتجاج کیا ہے۔ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے بھی صراحت کی ہے کہ خوارج کی منقولہ احادیث تو صحیح ہیں لیکن ان کی اصل گمراہی کتاب اللہ کے معانی کے فہم میں جہالت اور فاسد تاویل کا نتیجہ تھی۔[21] ڈاکٹر مصطفیٰ سباعی نے علمی دلائل سے ثابت کیا ہے کہ خوارج کی طرف وضعِ حدیث کی نسبت باطل ہے اور انہوں نے بالخصوص کوئی حدیث وضع نہیں کی، بلکہ صحیح بخاری سمیت دیگر کتبِ حدیث میں موجود خارجی رواۃ سچے اور ثقہ تھے۔ پس، خوارج کا اصل بگاڑ یہ تھا کہ وہ روایات کو سچ ماننے کے باوجود اپنی بدعتی تاویلات کی بنا پر سنت کے حقیقی مقاصد اور صحابہ کرام کی عدالت کو تسلیم کرنے سے انکاری تھے، جس نے آگے چل کر منکرینِ حدیث کے لیے نصوص کو من مانے مفاہیم پہنانے کا راستہ کھولا۔[22]

شیعہ کا نظریۂ حدیث:

شیعہ نظریہ حدیث کی بنیاد اس تصور پر قائم ہے کہ دین کی صحیح تعبیر صرف ائمہ اہل بیتؑ کے ذریعے ممکن ہے، جنہیں معصوم اور واجب الاطاعت مانا جاتا ہے۔ اسی لیے وہ اہل بیتؑ کے طریق سے منقول روایات کو ترجیح دیتے ہیں، جبکہ بعض صحابہ کی روایات کو قبول کرنے میں احتیاط یا انکار سے کام لیتے ہیں۔ ان کے نزدیک تمام صحابہ بلا تفریق عادل نہیں، بلکہ عدالتِ صحابہ کا عمومی اصول قابلِ تسلیم نہیں ہے۔ شیعہ مکتبِ فکر میں حدیث کا دائرہ کار صرف رسول اللہ ﷺ تک محدود نہیں، بلکہ اس میں بارہ ائمہؑ اور حضرت فاطمہ زہراؑ کے اقوال، افعال اور تقریرات بھی شامل ہیں، اور راویوں کی راست گوئی کی بنیاد پر احادیث کو صحیح، حسن، موثق اور ضعیف میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ شیعہ حدیث کے چار بنیادی ماخذ الکافی، من لا یحضرہ الفقیہ، تہذیب الاحکام اور الاستبصار (کتبِ

---

[20] ڈاکٹر مصطفیٰ السباعی، السنة ومكانتها في التشريع الإسلامي، بیروت: المکتب الإسلامی، 1982ء، ص 83

[21] ابن تیمیہ، احمد بن عبد الحلیم، منهاج السنة النبویه فی نقض کلام الشیعه القدریه، تحقیق: محمد رشاد سالم، ریاض: جامعه محمد بن سعود اسلامیه، 1986ء، جلد 1، ص 68-70

[22] ڈاکٹر مصطفیٰ السباعی، السنة ومكانتها في التشريع الإسلامي، ص 81-83

اربعہ) ہیں۔ تاہم، شیعہ علماء ان کتابوں کی ہر حدیث کو حتمی طور پر صحیح نہیں مانتے، بلکہ قرآن سے مطابقت، راویوں کے احوال اور تقیہ جیسے عوامل کو سامنے رکھ کر سند کی سخت جانچ پڑتال کرتے ہیں۔ دوسری طرف، اہل سنت کے نزدیک اصل حجت صرف قرآن اور سنتِ رسول ﷺ ہیں, چنانچہ وہ ان کتب کی ان روایات کو غیر معتبر یا ضعیف قرار دیتے ہیں جن کی اسناد میں غلو، رفض یا مجہول رواۃ پائے جائیں۔

ان تمام تفاصیل سے واضح ہوتا ہے کہ اس عہد میں معتزلہ کی عقل پرستی، خوارج کی جاہلانہ تاویل اور شیعہ کے امامت پر مبنی افکار نے مل کر ایسے فکری مظاہر کو جنم دیا، جن کے اثرات دورِ حاضر تک پھیلتے چلے گئے۔[23]

3۔ دورِ آواخر

فتنۂ انکارِ حدیث کا تیسرا اور موجودہ مرحلہ دورِ آواخر کا ہے، جو بنیادی طور پر انیسویں صدی عیسوی میں مغربی استعمار کے سیاسی غلبے، مستشرقین کے پیدا کردہ شکوک اور جدید سائنسی افکار کے زیرِ اثر پروان چڑھا۔ اس دور میں یہ فتنہ محض انفرادی کج فہمی یا کلامی مباحث تک محدود نہیں رہا، بلکہ اس نے منظم تحریکوں اور فکری مکاتبِ فکر کی صورت اختیار کر لی، جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

برصغیر پاک و ہند میں فتنۂ انکارِ حدیث کے جدید اور ارتقائی مرحلے کا فکری آغاز سر سید احمد خان اور ان کے رفقاء، بالخصوص مولوی چراغ علی، پر مشتمل "نیچری گروہ" کے نظریات سے ہوتا ہے۔ انیسویں صدی عیسوی میں انگریزی استعمار کے سیاسی غلبے اور مغربی مادی فلسفے سے مرعوب ہو کر، اس طبقے نے اسلام کی ایک ایسی معذرت خواہانہ تعبیر پیش کی جو مادی قوانینِ فطرت (Laws of Nature) کی اندھی تقلید پر مبنی تھی۔ نیچری گروہ کا اساسی عقلی اصول یہ تھا کہ وحی الٰہی اور احادیثِ رسول ﷺ کے مابین صرف وہی تعبیرات قابلِ قبول ہیں جو مادی سائنس اور انسانی عقل کی خود ساختہ کسوٹی پر پوری اترتی ہوں، جس کے نتیجے میں انہوں نے معجزات اور مافوق الفطرت حقائق پر مبنی احادیث کا کلی انکار کر دیا۔ اس فکری انحراف کی سب سے واضح مثال سر سید احمد خان کی وہ تشریحات ہیں جن میں انہوں نے معجزۂ شقِ قمر، فرشتوں کی مادی مابعد الطبیعاتی حقیقت، اور حضور ﷺ کے جسمانی سفرِ معراج سے متعلق مسلمہ احادیث کو خالص عقلی و مادی بنیادوں پر مسترد کرتے ہوئے انہیں محض خواب یا تمثیل قرار دیا۔[24] انہوں نے اخبارِ آحاد کی تاریخی حیثیت اور ثقاہت پر شکوک و شبہات کے تیر چلائے تاکہ اسلامی شریعت کو جدید مغربی افکار کے سانچے میں ڈھالا جا سکے، حالانکہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے انسانی عقل کی اس مادی حدودیت کا رد کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے:

---

[23] ڈاکٹر عبد الرؤف ظفر، علوم الحدیث، ص 837-905

[24] سر سید احمد خان، تفسیر القرآن، لاہور، رفاہِ عام پریس، 1995، جلد 1، ص 35-32

وَمَا أُوتِيتُم مِّنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا۔[25]

(اور تمہیں بہت تھوڑا سا علم دیا گیا ہے۔)

نیچریت کے اسی فکری زیرِ اثر آگے چل کر برصغیر میں "اہلِ قرآن" کے نام سے باقاعدہ منظم اور علمی دعوے دار تحریکوں نے جنم لیا، جن کی فکری آبیاری میں مولوی عبد اللہ چکڑالوی، احمد دین امر تسری، اسلم جراجپوری اور بالآخر غلام احمد پرویز نے بنیادی کردار ادا کیا۔ اس مکتبِ فکر نے حدیثِ نبوی ﷺ کے مستقل مآخذِ شریعت اور تشریحی مقام کا یکسر انکار کر دیا اور یہ باطل دعویٰ کیا کہ دین کی تفہیم اور اسلامی احکامات کے اثبات کے لیے صرف قرآنِ مجید کے الفاظ ہی کافی ہیں، جبکہ حدیث محض عجم کی سازش اور غیر مستند تاریخی ریکارڈ ہے۔ انہوں نے لغت کی آڑ لے کر نماز، زکوۃ اور حج جیسے مسلمہ شعائرِ اسلام کی متواتر روایتی اور شرعی تفہیم کو مسخ کیا اور قرآنی اصطلاحات کو من مانے مادی اور سیاسی مفاہیم پہنائے۔ اس کی بین مثال غلام احمد پرویز کا نظریہ ہے، جنہوں نے اپنے لغتی الحاد کے ذریعے شریعت کے متواتر نظامِ زکوۃ کا انکار کیا اور یہ دعویٰ کیا کہ زکوۃ کا مطلب ڈھائی فیصد مال کی ادائیگی نہیں، بلکہ یہ ایک ایسا قرآنی نظامِ ربوبیت ہے جس کے تحت حکومتِ وقت انسان کی ضرورت سے زائد تمام سرمایہ اپنے قبضے میں لے لیتی ہے۔[26] انہوں نے احادیثِ نبوی میں موجود جنت اور جہنم کی مادی حقیقت کا بھی انکار کیا اور انہیں مقامات کے بجائے انسانی ذات کی داخلی کیفیات قرار دیا۔[27] یوں انہوں نے شعائرِ اسلام کے روایتی ڈھانچے کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کی کوشش کی۔ حالانکہ قرآنِ حکیم نے ان کے اس خود ساختہ معیارِ فہم کو چیلنج کرتے ہوئے رسول کی مستقل تشریحی اتھارٹی کو یوں واضح کیا ہے:

وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ۔[28]

(یعنی اور ہم نے آپ کی طرف یہ ذکر (قرآن) نازل کیا تاکہ آپ لوگوں کے سامنے ان احکام کو واضح اور بیان کر دیں جو ان کی طرف نازل کیے گئے ہیں۔)

دورِ حاضر میں انکارِ حدیث کی سب سے خطرناک اور مبہم شکل "درپردہ منکرینِ حدیث" کے روپ میں سامنے آئی، جو خود کو جدیدیت پسند (Modernists) کہلواتے ہیں۔ یہ طبقہ معتزلہ کی طرح علانیہ طور پر حجیتِ حدیث کا انکار نہیں کرتا، بلکہ وہ حدیث

---

[25] الاسراء:85

[26] غلام احمد پرویز، نظامِ ربوبیت، کراچی، ادارہ طلوع اسلام، 1954، ص78

[27] غلام احمد پرویز، لغات القرآن، لاہور، ناظم ادارہ طلوع اسلام، 1960ء، جلد1، ص449

[28] النحل:44

کی شرعی و قانونی حیثیت کو تسلیم کرنے کا ملمع چڑھا کر ایسی احادیث کا انکار کرتا ہے جو ان کے نزدیک جدید مغربی تہذیب، انسانی حقوق کے نام نہاد فلسفوں، یا سائنسی مفروضوں سے متصادم ہوں۔ اس کی نمایاں مثال موجودہ دور کے جدیدیت پسند مفکرین (جیسے جاوید احمد غامدی یا ان کے ہم فہم لوگ) کے ہاں نظر آتی ہے، جو حدود و تعزیرات، رجم، دیت، اور خواتین کے احکامات سے متعلق صحیح اور مستند احادیث کو یہ کہہ کر مستقل قانون ماننے سے انکار کر دیتے ہیں کہ یہ روایات قرآن کی صراحت کے خلاف ہیں یا صرف اس دور کے مخصوص تاریخی و تمدنی پس منظر تک محدود تھیں۔[29] وہ حدیث کو شریعت کا ابدی قانون ماننے کے بجائے اسے صرف عہدِ رسالت کا ایک وقتی اور مقامی حل قرار دیتے ہیں۔ ان کا یہ باطل نظریہ دراصل سنتِ نبوی ﷺ کی آفاقیت پر حملہ ہے، حالانکہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کی تشریعی حاکمیت کو قیامت تک کے لیے نافذ کرتے ہوئے سورۃ الحشر میں صریح حکم دیا ہے:

وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا۔[30]

(یعنی اور جو کچھ تمہیں رسول دیں وہ لے لو اور جس سے منع فرمائیں اس سے رک جاؤ۔)

دورِ آواخر کے یہ تینوں رجحانات خواہ وہ نیچریت کی مادی عقل پرستی ہو، اہلِ قرآن کا منظم فکری خروج ہو یا جدیدیت پسندوں کا درپردہ استخفاف اصل میں اسی قدیم اعتزالی فکر کا جدید روپ ہیں جس کا حتمی فکری اثر اسلامی شریعت کو اس کی اساس سے محروم کرنا ہے۔[31]

نتائج و خلاصہ:

مذکورہ بحث کے تاریخی، فکری اور تحلیلی مطالعے سے درج ذیل اہم نتائج سامنے آتے ہیں:

1. **انکارِ حدیث کے مختلف مظاہر میں ایک بنیادی فکری قدرِ مشترک پائی جاتی ہے**، اور وہ یہ ہے کہ انسانی عقل کو وحیِ الٰہی کے مقابلے میں فیصلہ کن اور حاکم حیثیت دے دی جائے۔ اگرچہ مختلف ادوار میں اس فکر کے سیاسی، کلامی، فلسفیانہ اور مادی مظاہر جدا جدا رہے ہیں، تاہم ان کے اساسی منہج میں یہ قدرِ مشترک نمایاں رہی ہے کہ جو نص یا روایت کسی خود ساختہ عقلی، سیاسی یا مادی معیار سے ہم آہنگ نہ ہو، اسے رد یا مؤول کر دیا جائے۔

---

[29] جاوید احمد غامدی، برہان، لاہور، دانشرائے، المورد، 2009ء، ص 83-85

[30] الحشر: 7

[31] عبدالرحمن کیلانی، آئینہ پرویزیت، ص 72

2. **عقل کا صحیح مقام شریعت کی تفہیم و تعقل ہے، نہ کہ وحیِ الٰہی پر حاکمیت۔** اسلامی نظامِ فکر میں عقل کو ایک اہم اور معتبر وسیلۂ فہم کی حیثیت حاصل ہے، لیکن وہ نصوصِ وحی کے تابع رہ کر اپنا کردار ادا کرتی ہے۔ جب عقل کو وحی سے آزاد اور اس پر حاکم تصور کیا جاتا ہے تو شریعت کے مسلمہ اصولِ تفسیر و تشریح میں خلل واقع ہوتا ہے اور شخصی ترجیحات کو دینی نصوص پر فوقیت حاصل ہونے لگتی ہے۔

3. **تاریخِ اسلام میں حدیث کے بارے میں پیدا ہونے والے بعض انحرافات کی جڑیں قدیم فکری مباحث میں پیوست ہیں۔** خوارج، بعض معتزلہ اور دیگر کلامی رجحانات میں نصوص کو مخصوص عقلی مقدمات کی کسوٹی پر پرکھنے کا رجحان مختلف صورتوں میں سامنے آیا، جس کے نتیجے میں بعض متواتر یا مشہور اسلامی عقائد و احکام کی ایسی تاویلات کی گئیں جو امت کے متوارث فہم سے مختلف تھیں۔

4. **عصرِ جدید میں یہی رجحان نئے فکری عنوانات کے ساتھ ظاہر ہوا۔** مغربی افکار، مادیت، جدید سائنسی تصورات اور جدید تہذیبی اقدار کی مرعوبیت نے بعض حلقوں کو اس جانب مائل کیا کہ معجزات، مافوق الفطرت حقائق اور بعض شرعی نصوص کو عصرِ حاضر کے مادی یا عقلی تصورات کے مطابق ڈھالا جائے۔ اس طرح حدیث کی حجیت پر اعتراضات نے قدیم کلامی مناہج کے بجائے جدید عقلیت اور مادیت کی زبان اختیار کر لی۔

5. **انکارِ حدیث کے فتنہ کا دائرہ محض چند روایات کے انکار تک محدود نہیں رہتا۔** جب حدیث کو مستقل ماخذِ شریعت تسلیم نہ کیا جائے تو قرآنِ مجید کے متعدد احکام کی عملی، تشریعی اور تفصیلی تعبیر بھی متاثر ہوتی ہے۔ یوں مسئلہ صرف حدیث کی صحت یا عدمِ صحت کا نہیں رہتا، بلکہ پورے نظامِ تشریع، فقہی روایت اور امت کے متوارث علمی سرمایہ کی حجیت زیرِ بحث آجاتی ہے۔

6. **حدیثِ رسول ﷺ کی حجیت دراصل قرآنِ حکیم کے صحیح فہم سے بھی وابستہ ہے۔** قرآنِ مجید رسول اللہ ﷺ کی اطاعت، اتباع اور آپ کے فیصلوں کی قبولیت کو دینی التزام کا حصہ قرار دیتا ہے۔ اس لیے سنتِ نبوی ﷺ کو یکسر غیر تشریعی قرار دینا قرآن اور سنت کے باہمی تعلق کے اس بنیادی تصور کو متاثر کرتا ہے جس پر اسلامی تشریع کی عملی صورت قائم ہے۔

7. **فتنۂ انکارِ حدیث کے مقابلے میں علمی منہج کا تقاضا محض جذباتی رد نہیں بلکہ اصولی و تحقیقی محاسبہ ہے۔** حدیث کی حجیت، اس کی حفاظت، روایت و درایت کے اصول، تعاملِ صحابہؓ، فقہی تدوین اور امت کے متوارث علمی تسلسل کا جامع مطالعہ اس مسئلے کو صحیح تناظر میں سمجھنے کے لیے ناگزیر ہے۔

خلاصۂ کلام

حاصلِ بحث یہ ہے کہ فتنۂ انکارِ حدیث کی مختلف تاریخی اور جدید صورتوں کے پسِ پشت اگرچہ متعدد اسباب اور فکری محرکات کارفرما رہے ہیں، تاہم ان میں ایک نمایاں قدرِ مشترک **وحی کے مقابلے میں انسانی عقل کو خود مختار اور فیصلہ کن معیار قرار دینا ہے**۔ جب عقل وحی کی روشنی میں رہنمائی حاصل کرنے کے بجائے وحی ہی کو اپنے پیمانۂ عقل پر پرکھنے لگتی ہے تو نصوصِ شرعیہ کی تعبیر شخصی تصورات، بدلتے ہوئے فکری رجحانات اور خارجی تہذیبی اثرات کے تابع ہونے کا اندیشہ پیدا ہو جاتا ہے۔

لٰہذا حجیتِ حدیث کا اثبات محض روایات کے ایک مجموعے کا دفاع نہیں بلکہ **قرآن و سنت کے باہمی ربط، اسلامی تشریع کے تسلسل، فقہی روایت کی بنیاد اور امت کے مستند علمی ورثے کے تحفظ کا دفاع** ہے۔ اسی طرح عقل کی صحیح تعظیم بھی اسی میں ہے کہ اسے وحی کے مقابلے میں حاکم نہیں، بلکہ وحی کے فہم و ادراک کا مؤثر وسیلہ سمجھا جائے۔ اسلامی فکر کا متوازن منہج یہی ہے کہ عقل و نقل میں حقیقی تعارض کے تصور سے گریز کرتے ہوئے عقل کو وحیِ الٰہی کی روشنی میں استعمال کیا جائے؛ کیونکہ وحی رہنما ہے اور عقل اس رہنمائی کو سمجھنے اور اس سے صحیح نتائج اخذ کرنے کا وسیلہ۔

مصادر و مراجع

ابن تیمیہ، احمد بن عبد الحلیم، منہاج السنۃ النبویہ فی نقض کلام الشیعہ القدریہ، تحقیق: محمد رشاد سالم، ریاض: جامعہ محمد بن سعود اسلامیہ، 1986ء

ابن حجر عسقلانی،احمدبن علی ،لسان المیزان،تحقیق:عبد الفتاح ابو غدہ بیروت:دار البشائر الإسلامية، 2002ء

ابن حزم، علی بن احمد،الإحكام في أصول الأحكام،تحقیق: احمد محمد شاکر، بیروت: دار الآفاق الجديدة، 1983ء

ابن حزم، ابو محمد علی بن احمد،الفصل في الملل والأهواء والنحل،تحقیق: محمد ابراہیم نصر بیروت: دار الجیل، 1996ء

افتخار احمد بلخی، فتنۂ انکارِ حدیث کا منظر و پس منظر، کراچی، مکتبہ چراغ راہ پاکستان،1954ء

بغدادی، عبد القاہر بن طاہر،الفرق بین الفرق ، قاہرہ: مکتبة ابن تيمية، 1994ء

جاوید احمد غامدی، برہان، لاہور، دانشرائے، المورد،2009ء

ڈاکٹر عبد الرؤف ظفر، علوم الحدیث، لاہور، قدوسیہ اسلامک پریس،2011ء

ڈاکٹر مصطفیٰ السباعی، السنة ومكانتها في التشريع الإسلامي،بیروت: المكتب الإسلامی، 1982ء

سر سید احمد خان، تفسیر القرآن، لاہور، رفاہِ عام پریس،1995ء

شہرستانی، محمد بن عبد الکریم،الملل والنحل،تحقیق: علی حسن فاعور،بیروت: دار المعرفة، 1993ء

غلام احمد پرویز، لغات القرآن، لاہور، ناظم ادارہ طلوع اسلام،1960ء

غلام احمد پرویز، نظامِ ربوبیت، کراچی، ادارہ طلوع اسلام،1954ء،

محمد بدر عالم میرٹھی، ترجمان السنۃ، لاہور، اسلامی اکادمی،1991ء

مفتی ولی حسن ٹونکی، فتنہ انکارِ حدیث، لندن، ختم نبوت اکیڈمی،2006ء